خدیجہ مستور کے ناول میں متبادل تاریخی بیانیہ

The Alternative Historical Narrative in Khadija Mastoor's Novel

ڈاکٹر شاہد نواز

Abstract

Literature in general and fiction in particular presents and uses the sociological and historical details of the external world. The detail sometimes helps the writer to construct the fictional world and in other times the writer presents an alternative image of the contemporary wold. Angan, a renowned novel, constructs its narrative with the prevalent political and historical situation. The narrative reflects upon the prejudices, biases and shallowness of the contemporary political culture in an alternative perspective which helps the reader to revisit and see the picture of political movements in the mirror of a family. This article analyses the novel and argues that literature can be an alternative narrative of the history.

Keywords: History, Alternative Historical Narrative, Khadija Mastoor, Angan,

تاریخ اگر تجزیئے کے بغیر ہو تو وہ کسی بھی سماج کی ایسی شکل ہے، جس کی خوش شکل اور بد شکلی کے بارے میں فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ افسوس کے ساتھ یہی صورت حال اس خطے کی تاریخ نویسی کے ساتھ قائم ہے۔ اگرچہ گذشتہ دو تین دہائیوں سے تاریخ نویسی میں قابل قدر تبدیلی آئی ہے، مگر ابھی بھی تاریخ نویسی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں عمومی تاریخ نویسی، واقعات کے تجزیئے کے بجائے واقعات کے بیان اور نتائج پر لکھی گئی ہے۔ تاریخ نویسی میں واقعے کے بیان کے علاوہ واقعے کے اسباب اور تجزیئے کے بیان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تجزیہ کرتے وقت بھی یہ بھی ضروری ہے کہ مورخ اس سماج کی داخلی زندگی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ باشعور ہو، جس میں کوئی بھی واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی ایک واقعے کو باقی واقعات کے تسلسل سے الگ کر کے تجزیہ کرنا اور اسباب وعلل تلاشنا غیر سود بخش عمل ہے۔ اس طرح کی تاریخ نویسی کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سماج عمومی طور پر تاریخ کے حوالے سے دو یا دو سے زیادہ دھڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور یہ دھڑے اکثر ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ تاریخ نویسی کا عمل کسی بھی سماج کی اجتماعی زندگی کے گذشتہ ایام کے بارے میں تجزیہ کے ذریعے درست نتائج اخذ کرنا ہیں۔ تاکہ آنے والے وقت میں ان نتائج کی

روشنی میں واضح حکمت عملی وضع کی جا سکے۔تاریخ نویسی کے بارے میں زاہد چودھری رقم طراز ہیں:

> ''مطالعہ تاریخ دراصل ایک سائنس ہے۔اس میں ذاتی پسند یا ناپسند کا کوئی دخل نہیں۔تاریخ کوئی عقیدہ نہیں۔اس کا مطالعہ عقائد کی بنیاد پر نہیں بلکہ معروضیت کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔عقائد خواہ دائیں بازو کے ہوں یا بائیں بازو کے عقیدہ پرستی کے شکنجے میں پھنس کر نہ تو ماضی کی اصل حقیقت سے آگاہی ہو سکتی ہے۔نہ حال کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ مستقبل کے بارے میں کوئی درست پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔''(۱)

مذکورہ بالا اقتباس دراصل اس خطے کی تاریخ نویسی پر عمومی تبصرہ ہے۔اب جب یہ امر کسی حد تک طے ہو چکا کہ اس خطے کی تاریخ نویسی میں جھول ہے،تو کیا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔اس کمی کو پورا کرنے کے لیے متبادل ذرائع تاریخ کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ دیگر سماجی علوم اور دستاویزات خصوصاً ادب کو متبادل ذریعے کے طور پر آزمایا جا سکتا ہے۔ادب جس طرح اپنے سماج کا آئینہ دار ہونے کا داعی ہے اور جزوی طور پر ادب کے اس دعوے میں سچائی کی جھلک بھی موجود ہے۔تو ایسی صورت حال میں ادب یا ادب کی مختلف اصناف کو تاریخ کے متبادل بیانیے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ادب سماج کی پیش کش میں سماج کی مختلف پرتوں،روایتوں اور مختلف واقعات کے اسباب وعلل کو تخیلاتی سطح پر از سر نو ترتیب دے کر کہانی یا شعر کی صورت پیدا کرتا ہے۔خاص سلیقے ترتیب سے ادب کے اندر محفوظ تاریخی حقائق کو تلاش کرنا ناممکن نہیں ہے۔ادیب دراصل اپنے عہد اور سماج کے ایسے باشعور فرد کے طور پر کام کرتا ہے جو بیک وقت جمالیاتی اور سماجی الجھنوں رویوں اور مسائل کا امتزاج فن کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ادیب خصوصاً ناول نگار کے سماجی کردار کو زیر بحث لاتے ہوئے، خورشید السلام رقمطراز ہیں:

> ''ناول نگار کو حق حاصل ہے کہ وہ معاشرت،سیاست اور مذہب کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے اور اپنے گرد و پیش کی زندگی پر تنقید کرے۔البتہ یہ تنقید کرداروں کے عمل سے ظاہر ہونی چاہیے کہ پڑھنے والا غیر شعوری طور پر اس پر ایمان لے آئے۔''(۲)

ذیل میں اس دعوی کے تحت ''آنگن'' کا تجزیہ پیش ہے۔اس تجزیے میں تاریخ کے بڑے واقعہ یا ایشو کو ناول میں پیش کردہ کہانی کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے گا۔اس مطالعے کے دوران بنیادی سوال یہ ہوگا کہ ناول اور ناول نگار کس طرح تاریخ کو متبادل بیانیہ پیش کر سکتا ہے۔اس سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے کہ اردو کے بعض ناول کلی طور پر اور بعض جزوی طور پر تاریخ کا متبادل بیانیہ فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔ان ناولوں کی فہرست

خاصی طویل ہے۔نہایت اختصار کے ساتھ اس طویل فہرست میں سے چند ناول نگاروں اور ناولوں کا ذکر، بعدازاں تخصیصی مطالعے کے طور پر خدیجہ مستور کے ''آنگن'' پر بحث کی جائے گی۔

اردو ناول کی روایت کا جائزہ لیں تو ناول نگاروں کے ہاں اپنے عہد اور سماج کا داخلی مطالعہ اہم موضوع کے طور پر موجود رہا ہے۔سرسید تحریک نے سماج خصوصاً سماج کے لیے جدید تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا تو ''مراۃ العروس'' میں تعلیم وتربیت کو بنیاد بنا کر ہی ڈپٹی نذیر احمد نے کہانی ترتیب دی، اگرچہ دبے لفظوں میں ڈپٹی صاحب نے مسلمان سماج کے جس طبقے کو تعلیم وتربیت کے لیے چنا، یہ وہی خاص طبقہ تھا جس کی اصلاح سرسید تحریک کے پیش نظر تھی یعنی کہ طبقۂ اخراف۔یعنی تاریخ کے عمومی بیانیے کے برعکس ناول نگار نے اس تحریک کے اصل مقصود کو سامنے لانے کی کوشش کی۔اسی طرح ''ابن الوقت'' میں جس طرح تبدیلی کے نام پر اپنی ثقافت اور زمین سے جڑے رہنے کی بجائے ''کوا چلا ہنس کی چال'' اپنی بھی بھول گیا، والی سوچ کے حامل کردار کے ذریعے سماج کو درست راہ دکھانے کی کوشش کی۔حتیٰ کہ ''رویائے صادقہ'' میں ڈپٹی صاحب تاریخی بیانیے کے برعکس ہندوستانی کسانوں کی مشکلات اور ان کو نوآبادیاتی نظام میں پھنسانے والے عوامل کی نشان دہی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔رتن ناتھ سرشار، حکمران طبقے کی عالمی سازشوں کو مرتب کرنے کی کہانی لکھنوی سماج کی کہانی کے بین السطور دکھاتے نظر آتے ہیں، مرزا رسوا ثقافتی اور سماجی زندگی کی حرکیات میں سماج کے اندر پنپنے والی منفی اقدار کو موضوع بناتے ہیں۔ایک مخصوص خطے کی ثقافتی زندگی کے اظہار کو علامت اور استعارے کے طور پر مان لیا جائے، تو پورا ہندوستانی سماج اس زاویہ نگاہ سے زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔مرزا رسوا اصلاح پسندی کے جذبے سے مغلوب ہونے کی بجائے سماج کے حقیقی رخ کو دکھانے میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔بیسویں صدی کے آغاز سے بدیسی حکمران کی بیشتر چالیں (جن کا اولین مقصد ہندوستانی سماج میں مذہبی شناخت کو فروغ دینا تھا) کامیاب ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔یوں معاشی طور پر طبقاتی درجہ بندی میں منقسم ہندوستانی سماج اب مذہب اور ثقافت کے نام پر بھی درجہ بندی کا شکار ہو رہا تھا۔پریم چند اور اس عہد کے دیگر ناول نگاروں نے اس موضوع کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔اس صورتحال پر قمر رئیس کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''دراصل ''گوشہ عافیت (۱۹۲۰ء) سے اردو ناول کی تاریخ میں ایک نئے موڑ اور نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔اس میں ہندوستانی معاشرہ کی بڑھتی ہوئی طبقاتی آویزش اور اس کے بنیادی مسائل کا احساس وشعور ناول کے فن کو نیا روپ دیتا اور ناول کو عام انسانی زندگی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔''(۳)

اس سماجی صورتحال کا قرین قیاس تجزیہ مذکورہ بالا ناول نگاروں کے ہاں مل جاتا ہے۔عالمی سطح پر ہندوستان کے بارے میں خصوصاً اور نیو ورلڈ آرڈر کے بارمیں عموماً جوتگ ودو ہو رہی تھی۔وہ ''لندن کی ایک رات'' میں سجاد ظہیر عیاں کرتے نظر آتے ہیں۔تقسیم ہند سے قبل کی صورت حال چاہے وہ سیاسی ہو یا سماجی یا معاشی، ان پر فضل کریم فضلی، عزیز احمد، کرشن چندر نے نہایت تفصیل اور عمدگی سے کہانی کے ذریعے حقائق کو سامنے لانے کی کوشش

کی ہے۔تقسیم ہند کے وقت اگر چہ سب سے بڑا مسئلہ ہجرت اور فسادات تھے۔جس پر اردو فکشن نے متنوع انداز سے قلم اٹھایا ہے۔مگر اس کے ساتھ تقسیم ہند کے محرکات کا جائزہ بھی کہانیوں کی شکل میں لیا گیا ہے۔ممتاز مفتی،نسیم حجازی،انتظار حسین،شوکت صدیقی،عبداللہ حسین،مستنصر حسین تارڑ اور قرۃ العین حیدر نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔

یہاں پر قرۃ العین حیدر کے ناول ''آخر شب کے ہم سفر'' کا خصوصی حوالہ اس لیے ضروری ہے کہ اس ناول میں مصنفہ نے ہندوستان میں جنم لینے والی انقلابی اور آزادی ہند تحریکوں کا جائزہ لیتے ہوئے بہت مختلف تاریخی بیانیہ فراہم کیا ہے۔یہ پہلو کتنا اہم ہے کہ بیسوی صدی کا مرکزی مقصد بدیسی حکمرانوں سے ہندوستان کو آزادی دلانا تھا۔مگر کس قدر تکلیف دہ امر ہے کہ یہ تحریک ہندوستان کی آزادی کی بجائے ہندوستان کی تقسیم در تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔ہمارا مورخ اس نتیجے کو صرف خارجی عوامل کی بنیاد پر ہی زیر بحث لاتا ہے۔جبکہ قرۃ العین حیدر نے داخلی محرکات کو مذکورہ بالا ناول میں پیش کیا ہے۔پاکستانی سماج کی تاریخ اردو کے بیشتر ناول نگار اپنی کہانیوں میں پیش کرتے آئے ہیں۔ان ناول نگاروں نے بڑے بڑے مسائل اور واقعات کے ساتھ ساتھ سماجی ڈھانچے کی تشکیل،سماج کا روبہ زوال ہونا،سماجی اور ریاستی اداروں کا باہم دست و گریباں ہونا اور مخصوص طبقوں خصوصاً غیر ریاستی عناصر کا ملکی داخلی اور خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے کا عمل اور نتائج کو بھی ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔گزشتہ پچیس تیس سالوں سے ملک میں پھیلی انارکی،دہشت گردی،مایوسی اور من حیثیت القوم نفسیاتی عارضوں میں مبتلا ہونے کی داستان بھی ہمارے ناول نگاروں نے پیش کی ہے،ان ناول نگاروں میں سے بیشتر نے عمومی تاریخی بیانیے کو جواز فراہم کرنے کی بجائے،اسے چیلنج کیا ہے اور پھر بہت فنکارانہ مہارت سے اس چیلنج کو اپنے سماجی مطالعے اور مشاہدے سے ناولوں کی شکل میں متبادل بیانیے کی صورت پیش کیا ہے۔

اردو میں جن ناول نگاروں نے تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے ناول لکھے ہیں،ان میں سرفہرست خدیجہ مستور ہیں۔خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' ساٹھ کی دہائی میں منظر عام پر آیا۔یہ ناول اپنی کہانی،موضوع،جزئیات نگاری اور کرداروں کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔اس ناول میں تقسیم ہند اور تقسیم ہند سے قبل کے سماج اور اس کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔تقسیم ہند اس خطے کی حالیہ تاریخ کا نہایت اہم موضوع ہے۔مورخین اس موضوع کو کئی طرح سے زیر بحث لائے ہیں۔اس طرح یہ موضوع ادب اور خصوصاً فکشن میں بھی کئی طرح سے کہانیوں کا موضوع بنا ہے۔مگر بیشتر مورخین اور فکشن نگاروں نے نتائج کی بنیاد پر تقسیم ہند کے المیے کو موضوع بحث بنایا ہے۔اسی طرح اگر اسباب زیر بحث لائے گئے ہیں تو وہاں بھی سماج میں ظہور پذیر خارجی اسباب کو تقسیم ہند کی وجوہات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ادب میں تقسیم ہند کے نتیجے میں ہونے والے فسادات،قتل و غارت اقدار کی بیخ کنی،انسانیت کا مرنا اور جبلتوں کی غلامی کو تو موضوع بنایا گیا ہے۔مگر تقسیم ہند جیسے بڑے المیے کے داخلی پہلوؤں پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے۔''آنگن'' اس سلسلے میں بہت مختلف سماجی اور تاریخی شعور کا حامل فن پارہ ہے۔اردو ناول کے نقاد نے اس

زاویئے سے آ نگن پر بحث نہیں اٹھائی، ممکنہ طور پر اس میں ناول کی روایتی تدریس اور تنقیدِ ناول کے روایتی سانچوں کا عمل دخل ہوسکتا ہے۔

''آ نگن'' وسیع سطح پر ہندوستان کا استعارہ ہے۔اس ناول میں جس طرح تقسیم ہند کے المیے کا تجزیہ کیا گیا ہے۔وہ کسی تاریخی دستاویز میں نہیں ملتا۔ باشعور سماجی فرد اور فن کار کے طور پر خدیجہ مستور نے روایتی اور لگے بندھے نظریات کی روشنی میں تقسیم ہند کو دیکھنے کی بجائے، ہندوستان کی تقسیم کے داخلی محرکات کی بنیاد پر کہانی کی عمارت کھڑی کی ہے۔''آ نگن'' میں ایک خاندان بیس سے پچیس سال کے عرصے میں جس طرح زوال اور تقسیم کا شکار ہوا ہے، بالکل اسی طرح ہندوستان تقسیم ہوتا نظر آ تا ہے۔آ نگن کی تقسیم دراصل ہندوستان کی تقسیم ہے۔

مصنفہ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ ''آ نگن'' یعنی ہندوستان کی تقسیم خارجی محرکات کی بجائے داخلی محرکات کا نتیجہ ہے۔داخلی اور خارجی محرکات کے تقابل میں داخلی محرکات زیادہ بنیادی ہیں۔ ذرا خدیجہ مستور کے ''آ نگن'' کا بغور جائزہ لیں۔کیا اس ''آ نگن'' میں اپنے بدیسی آ قاؤں سے رشتے ناتے اور ان جیسا بننے کا شوق (عالیہ کی ماں اور ماموں کی صورت) دونسلوں میں ذہنی اور دیگر بُعد (بڑے چچا اور جمیل کی صورت) ماضی کے اعزازات اور ماضی کی عظمت پر ریگ دی روز میں خوابوں کے شجر بونے کی صورت جس میں جزوی طور پر پورا آ نگن مبتلا ہے۔ جائیدادوں کے حصول اور بٹواروں میں روایتی خاندانی تعصب اور حصہ مارنے کی کیفیت جس کی بنا پر آنے والی نسلوں کو خواہ مخواہ نفرت اور حقارت کا نشانہ بنانا۔(صفدر اور چھمی کی صورت) اس طرح عالیہ کی ماں کی صورت ابن الوقتی کا مظاہرہ کرنا، پھر سیاسی/نظریاتی اختلاف کو بنیاد بنا کر آ نگن میں کش مکش اور رشتوں ناتوں میں پھوٹ اور نفرت پیدا کرنا، نہ صرف نفرت پیدا کرنا بلکہ سماجی، اخلاقی اور رشتوں ناتوں کی اقدار کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، صرف اپنے مخالف کو (چاہے وہ باپ ہی کیوں نہ ہو) اذیت پہنچانے کا عمل، اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے کا رویہ چھمی کی صورت معاشی صورت حال کی طرف توجہ دینے کی بجائے، عظمت رفتہ کے گن گاتے رہنا اور غیر مرئی سہاروں پر آس لگائے رکھنا، رشتوں ناتوں کے تعین کے وقت اپنے لیے کچھ اور معیار مقرر کرنا اور دوسروں کو حقیر جانتے ہوئے کمتر معیار مقرر کرنا۔ یہ عوامل اور ان جیسے دیگر عوامل نے ''آ نگن'' کو جس بری طرح داخلی طور پر کھوکھلا کر دیا تھا۔اس صورت حال مین خارجی عوامل نہ بھی ہوتے تو ''آ نگن'' تقسیم ہونے کی بجائے ڈھ جاتا، ایسی صورت حال میں ''آ نگن'' کو قائم رکھنا دیوانے کی بڑ ہے۔سیاسی قیدی کے طور پر جب بڑے چچا جیل سے رہا ہو کر گھر آ تے ہیں تو ان کے سیاسی مخالفین جمیل اور چھمی کا ردعمل واضح کر دیتے ہیں کہ آ نگن کی بوسیدگی اور اخلاقی دیوالیہ پن کس حد تک پہنچ چکا ہے۔

> ''آج صبح بڑے چچا الہ آباد جیل سے رہا ہو کر اسٹیشن پہنچ رہے تھے، بڑی چچی کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔وہ سوتے ہوئے جمیل کو بار بار جھنجھوڑ رہی تھی کہ وہ بھی باپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر جائیں۔مگر جمیل بھیا نے ہر بار کوئی بہانہ تراش دیتا۔وہ رات بادلوں کی گرج کی وجہ سے سوئے نہیں، سر میں درد ہے۔آج تو

دفتر بھی نہیں جاسکتے۔ کچھ حرارت بھی ہو رہی ہے... ایک بیس پچیس ہار
میرے لیے بھی لیتے آنا کہیں سے مانگ کر۔شکیل بڑا تیر مار کر آ رہے ہیں،
بڑے چچا۔چھمی کبھی کبھی ہنسنے لگتی اور اپنے کمرے کی دہلیز میں کنڈے میں
پڑے ہوئے رسی کے جھولے پر جا بیٹھی۔''(۴)

اپنے سیاسی یا نظریاتی مخالف کو برداشت نہ کرنے کا رویہ چھوٹی سطح پر آنگن اور بڑی سطح پر ہندوستان کی تقسیم کا بنیادی داخلی سبب بنا۔خدیجہ مستور کے آنگن میں دکھائی جانے والی یہ کش مکش ہندوستان کے وسیع آنگن کا بامعنی استعارہ ہے۔تقسیم ہند کے نتیجے میں کئی افراد/طبقوں کے لیے سود مند نظر آ رہی تھی۔یہ مفاد عالیہ کی ماں کو نظر آ رہا تھا۔وہ اپنے بھائی اور بھاوج کے سہارے پر اپنے پاؤں تلے بچھی پر امن اور محافظ آنگن کی زمین کو کھونے جا رہی تھی۔بُرے وقت میں جس آنگن نے اسے سہارا دیا تھا اس سے بے وفائی کرتے ہوئے عالیہ کی ماں کو ذرا برابر افسوس نہیں تھا۔ بلکہ وہ تقسیم ہند پر اپنے ردعمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی تھی۔

''شام سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ماموں کا خط آ گیا۔انہوں
نے اماں کو لکھا تھا کہ انہوں نے اپنی خدمات پاکستان کے لیے وقف کر دی ہیں
اور وہ جلد ہی آ رہے ہیں۔اگر آپ لوگوں کو چلنا ہو تو فوراً جواب دیجیے اور تیار
رہیے۔بس ابھی تار دے دو جمیل میاں، ہماری تیاری میں کیا لگے گا۔ہم تو بس
تیار بیٹھے ہیں۔مارے خوشی کے اماں کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔جمیل بھیا نے اس
طرح گھبرا کر سب کی طرف دیکھا جیسے فسادی ان کے دروازے پر پہنچ گئے
ہوں۔مگر آپ کیوں جائیں گی چھوٹی چچی؟ آپ یہاں محفوظ ہیں۔ میں نہ
جاؤں تو کیا ہندوؤں کے نگر میں رہوں، پاکستان میں اپنوں کی تو حکومت ہو
گی۔پھر میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔واہ، مارے
خوشی کے اماں سے نچلا نہ بیٹھا جا رہا تھا۔(۵)

وہ آنگن جس نے اب تک ان کو تحفظ دیا تھا۔ یکدم ہندوؤں کا نگر ہو گیا تھا۔مصنفہ جس طرح یہاں کرداروں کے برتاؤ کے ذریعے ہندوستان کے ایک مخصوص طبقے کی نفسیات کو سامنے لائی ہیں۔ یہ تجزیہ کسی مورخ کے ہاں نظر نہیں آئے گا۔آنگن کی داخلی فضا اور کرداروں کے باہمی برتاؤ کو اگر ہندوستان کی داخلی فضا اور ہندوستانی سماج کے مختلف طبقوں اور قومیتوں کے باہمی برتاؤ پر غور کیا جائے،تو آنگن کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی تقسیم کے داخلی اسباب بھی کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔پورے ناول میں اسباب کو شعوری طور پر کہانی کا حصہ نہیں بنایا گیا، جو تاریخ کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔یہی وہ بنیادی نکتہ ہے، جو یہ باور کرواتا ہے کہ ناول اور ناول نگار کس طرح تاریخ کا نہ صرف متبادل بلکہ قدرے مختلف (حقیقت پر مبنی) بیانیہ تشکیل دیتے ہیں۔یقیناً ان خارجی عوامل نے

ہندوستانی آنگن کو تقسیم سے دو چار کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔مگر کیا داخلی اسباب نہ ہوتے تو صرف یہ خارجی اسباب تقسیم ہند کر سکتے تھے۔اس کا جواب ہر ذی شعور فرد اور طبقہ آسانی سے سوچ سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ زاہد چودھری،پاکستان کی سیاسی تاریخ (پاکستان کیسے بنا)،مرتبہ حسن جعفر زیدی،جلد اول (لاہور:ادارہ مطالعہ تاریخ،۱۹۹۹ء)ص ۱۶۔

۲۔ ڈاکٹر خورشید اسلام،تنقیدیں اور دیگر مضامین،مرتبہ ڈاکٹر سجاد نعیم (لاہور:فکشن ہاؤس،۲۰۱۷ء)ص ۳۲۔

۳۔ قمر رئیس،جدید اردو ناول تشکیل سے تکمیل تک،مشمولہ:گفتگو،جلد نمبر ۱،شمارہ نمبر ۲،۱۹۵۷ء،ص ۲۵۳۔

۴۔ خدیجہ مستور،آنگن (لاہور:التحریر،اردو بازار،۱۹۸۷ء)ص ۱۶۲۔

۵۔ خدیجہ مستور،آنگن،ص ۲۷۶۔

مآخذ

۱۔ زاہد چودھری۔پاکستان کی سیاسی تاریخ (پاکستان کیسے بنا)،مرتبہ حسن جعفر زیدی،جلد اول۔لاہور:ادارہ مطالعہ تاریخ،۱۹۹۹ء۔

۲۔ خورشید اسلام،ڈاکٹر۔تنقیدیں اور دیگر مضامین،مرتبہ ڈاکٹر سجاد نعیم۔لاہور:فکشن ہاؤس،۲۰۱۷ء۔

۳۔ قمر رئیس۔''جدید اردو ناول تشکیل سے تکمیل تک''،مشمولہ:گفتگو،جلد نمبر ۱،شمارہ نمبر ۲،(۱۹۵۷ء)۔

۴۔ خدیجہ مستو۔آنگن ۔لاہور:التحریر،اردو بازار،۱۹۸۷ء۔